مجید امجد کی شاعری میں سائنسی شعور کی جھلک

ڈاکٹر سید عامر سہیل *

Abstract:
Majeed Amjad is considered to be as a trend-setting poet of 20th century. His poetry in terms of craft and thought is reflection of the impulse of his age. He has not only figured out the political, social, cultural and linguistic seen in his poetry but also he has touched the subjects of philosophy, metaphysics, and psychology. And he also made science and astronomy as the subject of his poetry but also he molded these thoughts in his creative experiences. This critical essay is an overview of Majeed Amjad's poetry and specially that poetry which represents the scientific consciousness. This has been delineated in this essay, with different references and examples that the subject of scientific consciousness has a very significant importance in his poetry and how Majeed Amjad makes it the part of his creative experience.

جدید عہد میں شاعری اور سائنس کے مابین رشتوں کی موجودگی کا سوال بھی زیرِ بحث رہا ہے اور یہ سوال اُٹھایا جاتا رہا ہے کہ کیا سائنس اور ادب میں کوئی حقیقی انسلاک موجود ہے؟ جہاں تک سائنس کا تعلق ہے یہ حواس کے ذریعہ اخذ شدہ علم کو اپنی فکری بنیاد بناتی ہے جب کہ شاعری اس سے ماورا ہو کر وجدان اور تخیل سے اپنا ناطہ جوڑتی ہے یوں بظاہر دونوں علوم کے منطقے نہ صرف مختلف ہو جاتے ہیں بلکہ ایک دوسرے سے متضاد سمتوں میں سفر کرنے لگتے ہیں۔ یہ بات تو درست ہے کہ شاعری بھی حواس کے ذریعہ اپنے تجربات کو اخذ کرتی ہے تاہم تخلیقی عمل کی پیچیدگی کسی تجسیم کے دائرے سے ماورا ہے۔ شاعری اور ادب کے بارے میں یہ مباحث مشرق کی نسبت مغرب میں زیادہ عام رہے ہیں۔ سائنس کو فطرت اور شاعری سے بے بہرہ کر دینے والی قوت مانا گیا تو دوسری طرف شاعری کو جنسی مستی میں لگائی گئی چیخیں قرار دیا گیا۔ غرض اس طرح کی آرا ہر دو اطراف سے دی جاتی رہی ہیں تاہم جدید طبیعات کے فروغ اور کوانٹم نظریات نے ایک معمولی ایٹم کے اندر رشتوں کے عظیم جال کو دریافت کیا ہے۔ اب ایٹم محض چند ذرات پر مبنی کوئی ٹھوس حقیقت نہیں رہا بلکہ اپنی ساخت کے اعتبار سے یہ رشتوں کے بے پایاں جال پر مشتمل ہے۔ اس طرح فلکیات کے حوالے سے بھی سائنس دریافت کی سرخوشی میں مبتلا رہی مگر اب کائنات کی وسعت اور اس کے مزید پھیلتے چلے جانے کے نظریات رواج پا گئے ہیں۔ اسی طرح نفسیات بھی ذہن کی کارکردگی کے بارے میں

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو، سرگودھا یونیورسٹی، سرگودھا۔

جاننے کی دعوے دار تھی مگر ذہن کے لاتعداد عملیات اور کارگزاریوں کی جہتیں وسعت پذیری کے دَر وا کیے ہوئے ہیں ـــــــ اور آج کی سائنس اور سائنسی شعور خود کو اس پورے تناظر میں بہت معمولی سمجھنے پر مجبور ہے نیز جس طرح فزکس، میٹافزکس اور سائیکالوجی، پیراسائیکالوجی کے دائرے میں داخل ہوئی ہے، ایک طرح کا وجدانی عمل ان میں بھی جھلک دکھانے لگا ہے۔

اس سب کے باوجود کہ جدید علوم اور سائنس اپنی اعلیٰ ترین منہاج میں وجدانی شکل اختیار کر لیتے ہیں، یہ شاعری اور شعری عمل سے مختلف ہی قرار پاتے ہیں تاہم شاعری میں سائنسی شعور کا رویہ ضرور جگہ بنا سکتا ہے۔ عہد جدید میں سائنس نے جو کمالات دکھائے ہیں اور جو نئے نظریات وایجادات سامنے آ رہی ہیں اس کے اثرات بہر حال شاعرانہ ذہن کی کارکردگی پر ضرور اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس صورتِ حال میں شاعری اور سائنس کے مابین ہم رشتگی کو تلاش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔

اس تناظر میں اگر مجید امجد کے سائنسی شعور کا مطالعہ کیا جائے تو اس کے بہت واضح حوالے ان کے یہاں مل جائیں گے۔ انھوں نے سائنسی حقائق کو اپنے شعور میں جذب کر کے انھیں اپنے مشاہدے کا حصہ بنایا ہے۔ مجید امجد کو سائنسی حقائق خصوصاً فلکیات کے ساتھ گہری دلچسپی رہی ہے۔ ڈاکٹر محمد امین کا خیال ہے کہ مجید امجد کو علمِ نجوم سے دلچسپی تھی، وہ خلائی علوم کا مطالعہ بھی کرتے رہتے تھے اس لیے ان کے یہاں کائنات کی وسعت اور لامحدودیت کا احساس پایا جاتا ہے[۱]۔ راقم کے پاس مجید امجد کے جو قلمی مسودات ہیں ان میں سولہ بڑے صفحات پر مشتمل ایک کتاب کا ابتدائی مسودہ بھی ہے [۲]۔ مجید امجد نے اس کتاب کا نام ''فسانۂ آدم'' تجویز کیا تھا اور اس میں زمین سمیت نظام شمسی کے دیگر ستاروں کے بارے میں سائنسی معلومات، ان کے سورج سے فاصلے، ان کا قطر وغیرہ کی تفصیلات، ہاتھ سے بنی ہوئی ڈائیگرام کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ ابتدائی مسودہ ان کے سائنسی شعور اور علم کو سمجھنے کے لیے بہت اہمیت کا حامل ہے اور ان کی بہت سی نظموں میں اس کے براہِ راست حوالے موجود ہیں۔[۳]

مجید امجد کو کائنات کی ابتدا اور زمین پر انسانی زندگی کے ارتقاء کی کہانی سے خاصی دلچسپی تھی۔ کائنات کے حوالے سے اُردو شاعری میں تین تصورات ملتے ہیں۔ پہلا مذہبی تصور، دوسرا جنموں کا تصور اور تیسرا سائنسی تصور[۴]۔ مجید امجد کی شاعری میں تیسرے تصور (سائنسی) سے بحث کی گئی ہے۔ وہ روایتی اور سنے سنائے قصوں کی بجائے گہرے مطالعہ اور مشاہدے کے بعد اس شعور کو اپنی شاعری کا حصہ بناتے ہیں۔ مجید امجد نے علمِ فلکیات کا مطالعہ بڑی گہرائی سے کیا تھا، وہ کائنات کے بارے میں جدید ترین معلومات رکھتے تھے، جدید سائنس نے ستاروں

کی زندگی اوران کے مرنے کے بعد کائنات کے پھیلتے چلے جانے کا ذکر کیا ہے وہ معلومات مجید امجد کے ذہن کا حصہ رہی ہیں۔اس حوالے سے چند اہم اقتباسات ملاحظہ کریں،اقتباسات علمِ فلکیات کے حوالے سے ان کے نامکمل قلمی مسودے بعنوان ''فسانۂ آدم'' سے لیے گئے ہیں۔

''آج ہم جانتے ہیں کہ دنیا، یہ ہمارا کرہ ارض متحرک ہے۔گردش میں ہے۔ آج ہم مختلف دیگر عالموں، تاروں اور سیاروں اور زمانوں کے فاصلوں اور فضاؤں کی لامحدودیت اور محدود لامحدودیت کے متعلق بہتر اور زیادہ درست واقفیت رکھتے ہیں۔آج ماہرینِ فلکیات مختلف اجرامِ آسمانی کی ہیئت، مقام، دوری، رفتار اور ماہیت کے مختلف حیران کر دینے والے انکشافات کر چکے ہیں کہ اِن کی روشنی میں ساری دنیا کی حیثیت ایک وسیع و مدور خلا کے اندر ایک حقیر سے نقطے سے بھی زیادہ غیر اہم ہو کر رہ گئی ہے۔۔۔۔۔سورج بھی اور لکھوکھا ستاروں کی طرح اس خلائے بسیط میں ایک عام ستارہ ہے۔''[۵]

''ہر ستارے کی ابتدا ایک عظیم (Globe of Gas) گیس کے بڑے بلبلے سے ہوتی ہے جو سکڑتا ہے تو اس کے بطن میں گرمی پیدا ہوتی ہے اس کے پھیلنے اور سکڑنے کا مسلسل عمل جاری رہتا ہے جس کی وجہ سے ایک مرحلہ ایسا آتا ہے جب اس کا ٹمپریچر بڑھ جاتا ہے اور اس کی تابانی میں اضافہ ہو جاتا ہے۔اس سارے عمل کے دوران میں ستارہ اپنے جسم کو مسلسل روشنی اور قوت میں تبدیل کرتا رہتا ہے اور بالآخر ختم ہو جاتا ہے۔''[٦]

اس انداز کی بہت سی سائنسی معلومات کو انھوں نے باقاعدہ تحقیق کرنے کے بعد تحریر کیا تھا جو اس بات کا کھلا ثبوت ہیں کہ مجید امجد کی شاعری میں سائنسی شعور کا موضوع محض اتفاق نہیں اور نہ ہی سنی سنائی گفتگو تک محدود ہے بلکہ جہاں وہ ستاروں کے بننے،بکھرنے، کائناتوں کے پھیلنے اوران کے اسرار جاننے کی بات کرتے ہیں اس کے پیچھے ٹھوس دلائل اور گہرا مطالعہ کارفرما ہوتا ہے۔

مجید امجد کی شاعری کا جائزہ لیں تو کلیات میں شامل تیسری نظم ''ہوائی جہاز کو دیکھ کر'' (ص۴۵) سائنسی ایجادات سے حاصل ہونے والی کیفیت کی عکاسی کرتی ہے۔یہ نظم ایک ایسے شخص کی حیرت کا اظہار ہے جو زمانے کی

رفتار کا ساتھ نہیں دے سکا تاہم ایک آرزو اور لگن ہے جو آگے بڑھنے کی ضامن ثابت ہوتی ہے۔

اگر یہ آرزو انساں کے دل میں جلوہ گر ہوگی   کہ چھن جائیں نہ عیشِ سرمدی کی نزہتیں اس سے
تو اس کی زندگی تابندہ تر پائندہ تر ہوگی   فقط سعی مسلسل سے فقط ذوقِ تجسس سے

(''ہوائی جہاز کو دیکھ کر''، مشمولہ کلیاتِ مجید امجد مرتبہ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، لاہور، ماورا پبلی کیشنز، اوّل جنوری ۱۹۸۹ء ص ۴۵)

''۲۹۴۲ء کا ایک جنگی پوسٹر'' سائنسی شعور کے حوالے سے نہایت اہمیت کی حامل نظم ہے۔ یہ نظم ۱۹۴۲ء میں لکھی گئی تھی اور مجید امجد ۲۹۴۲ء یعنی ایک ہزار سال کے بعد کی دنیا کا نقشہ کھینچ رہے ہیں۔ یہ نظم اگر چہ سائنسی فسانے کی طرز پر لکھی گئی ہے تاہم اسے پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مجید امجد اُس دَور میں بھی سائنسی موضوعات میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ اس نظم میں مجید امجد کے یہاں مستقبل بینی کا جو رویہ ملتا ہے وہ قابلِ غور ہے۔ ڈاکٹر محمد امین اس حوالے سے لکھتے ہیں کہ

> ''مستقبل شناسی کے حوالے سے مجید امجد کی اہم ترین نظم ''۲۹۴۲ء کا ایک جنگی پوسٹر'' ہے۔ یہ نظم ۱۸/ جولائی ۱۹۴۲ء کو لکھی گئی۔ میری محدود معلومات کے مطابق ۱۹۴۲ء میں ہمارے یہاں خلا کے بارے میں بہت کم معلومات میسر تھیں۔ مغرب کے ترقی یافتہ ممالک میں بھی خلائی علوم ابھی اتنے زیادہ ترقی یافتہ نہیں تھے۔ لوگوں کے ذہنوں میں سیاروں کی جنگ کا تصور نہیں تھا۔ یہ ابھی حال ہی کا تصور ہے، مجید امجد کے تخلیقی تخیل کا کمال دیکھئے کہ انھوں نے ۱۹۴۲ء میں نظم کی صورت میں یہ تصور پیش کیا۔'' [۷]

اک محافظ ستارے نے کل شام   کرۂ ارض کو خبر دی ہے
ملک مریخ کے لٹیروں نے   وادئ مہ تباہ کر دی ہے
جادۂ کہکشاں کے دونوں طرف   گھاٹی گھاٹی لہو سے بھر دی ہے
آج انھوں نے نظامِ عالم کو   دعوتِ آتش و شرر دی ہے
آن پہنچی ہے امتحان کی گھڑی   خاکیو ! وقتِ پائے مردی ہے
یہ تمھیں نے ہی بزمِ انجم کو   تابشِ سلکِ صد گہر دی ہے
یہ تمھیں نے متاعِ نور اپنی   مشتری کو بھی مشت بھر دی ہے

آج تقدیر زندگی نے صدا پھر تمھیں نوبتِ دگر دی ہے
آب اور گل کے اک کھلونے کو شانِ دارائی بشر دی ہے
پھاند جاؤ حدیں زمانوں کی
تھام لو باگ آسمانوں کی

(''۱۹۴۲ء کا ایک جنگی پوسٹر''، ص۱۲۲،۱۲۳)

اسی موضوع کے حوالے سے ایک اور اہم نظم ''راتوں کو۔۔۔'' ہے۔اس نظم میں مجید امجد نے کائنات کے آغاز اور زندگی کے ارتقا کو بیان کیا ہے اور کروڑوں اربوں سالوں کے ارتقائی عمل کو چند لفظوں میں سمیٹنے کی کوشش کی ہے۔

ان سونی تنہا راتوں میں
دل ڈوب کے گزری باتوں میں
جب سوچتا ہے، کیا دیکھتا ہے، ہر سمت دھوئیں کا بادل ہے
وادی و بیاباں جل تھل ہے
ذخار سمندر سوکھے ہیں، پُر ہول چٹانیں پگھلی ہیں
دھرتی نے ٹوٹتے تاروں کی جلتی ہوئی لاشیں نگلی ہیں
پہنائے زماں کے سینے پر اک موج انگڑائی لیتی ہے
اس آب و گل کی دلدل میں اک چاپ سنائی دیتی ہے
اک تھرکن سی، اک دھڑکن سی، آفاق کی ڈھلوانوں میں کہیں
تانیں جو ہمک کر ملتی ہیں، چل پڑتی ہیں، رکتی ہی نہیں
ان راگنیوں کے بھنور بھنور میں صد ہا صدیاں گھوم گئیں
اس قرن آلود مسافت میں لاکھ آبلے پھوٹے، دیپ بجھے
اور آج کسے معلوم، ضمیرِ ہستی کا آہنگِ تپاں
کس دُور کے دیس کے کہروں میں لرزاں لرزاں رقصاں رقصاں
اس سانس کی رو تک پہنچا ہے

(''راتوں کو۔۔۔''، ص۱۹۳،۱۹۴)

یہ نظم ستاروں اور کائناتوں کے ارتقا اور زندگی کے ہمکتے ساز کے آغاز کی داستان ہے۔ مجید امجد نے ''فسانہ آدم'' میں ستاروں اور سیاروں کی زندگی کا جو حال لکھا ہے یہ نظم اسی کی شعری شکل ہے۔ نظم ''رودادِ زمانہ'' میں بھی انھوں نے طبعی اور حیاتیاتی حقائق کو بیان کیا ہے۔

کیا وہ شوریدگیٔ آب و دخاں کی منزل
کیا یہ حیرت کدۂ لالہ و گل کی سرحد
(''رودادِ زمانہ''، ص۲۰۲)

''نہ کوئی سلطنتِ غم ہے نہ اقلیمِ طرب'' سائنسی موضوعات کے اعتبار سے نہایت اہمیت کی حامل نظم ہے۔ مجید امجد کسی اہم موضوع پر لکھنے سے پہلے گہرا مطالعہ کرنے کے عادی تھے، اس نظم کے سلسلے میں بھی انھوں نے سائنسی موضوعات، نظامِ شمسی، مریخ ستارے کے مختلف چاند مثلاً دائموس، ارناؤس، فبیوس کے بارے میں بہت سی معلومات اکٹھی کیں[۸] اور پھر کہیں جا کر انھیں ایک نظم کی شکل میں بیان کیا۔ نظم میں جہاں ستاروں کا ذکر کیا گیا ہے وہاں ستاروں کے بننے اور اپنا وقت گزارنے کے بعد بکھر جانے کے اشارے بھی موجود ہیں۔[۹]

جس طرح ایک سہارے کی تمنا میں کسی ٹوٹتے تارے کی حیات
مہ و انجم کے سفینوں کی طرف اپنے بڑھائے ہوئے ہات
خمِ افلاک سے ٹکرا کے بھسم ہو جائے
(ان خلاؤں میں کسے تابِ پرافشانی ہے)
(''نہ کوئی سلطنتِ غم ہے نہ اقلیمِ طرب''، ص۲۵۴)

نظم ''بس اسٹینڈ پر'' بھی انسان کی ارتقائی منزلوں کے حوالے سے اٹھائے گئے سوالات کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ بس اسٹینڈ پر کھڑا آدمی حیاتِ انسانی کی پہیلی کو حل کرنے کی کوشش میں مصروف ہے۔ بظاہر وہ بس کے انتظار میں کھڑا ہے تاہم وہ انسان اور اس کے ارتقا پر غور و فکر کر رہا ہوتا ہے۔

مگر توبہ، مری توبہ، یہ انساں بھی تو آخر اک تماشا ہے
یہ جس نے پچھلی ٹانگوں پر کھڑا ہونا بڑے جتنوں سے سیکھا ہے
ابھی کل تک، جب اس کے ابروؤں تک موئے پیچاں تھے
ابھی کل تک، جب اس کے ہونٹ محرومِ زنخداں تھے

ردائے صدز ماں اوڑھے، لرزتا، کانپتا، بیٹھا
ضمیرِ سنگ سے بس ایک چنگاری کا طالب تھا
(''بس اسٹینڈ پر''، ص۲۶۹)

ارتقائے انسانی کے حوالے سے ڈارون کے خیالات پر خاصی بحث ہوتی رہی ہے اور یہ سوالات اُٹھائے گئے تھے کہ کیا فطرت اپنے ارتقائی عمل میں اخلاقی اقدار کی پاسداری کرتی ہے، کیا انواع کی ترقی کے ساتھ اخلاق کی ترقی بھی ہورہی ہے یا یہ امر معکوس ہے ـــــ وغیرہ اسی انداز کا رویہ نظم کے اندر بھی موجود ہے[۱۰]۔ اپنے قلمی مسودے ''فسانۂ آدم''، میں مجید امجد لکھتے ہیں کہ

''۔۔کون جانے کب سے اس مہیب، لامحدود، نیلگوں فضا کے اندر مصروفِ گردش وسفر ہے اور کتنی عظیم تبدیلیوں اور کتنے زمانوں کے الٹ پھیر کے بعد اس قابل ہوئی کہ نوعِ انسانی کے اولین افراد اس کی برفیلی غاروں کے اندر اپنے 'دونوں اگلے پیروں' سے اپنے بدن کا بوجھ ہٹا کر، اپنے دونوں پاؤں پر ایستادہ ہوسکیں، اور اپنے بھونڈے ہاتھوں سے، ہڈی اور پتھر سے اپنے بھدے اوزار گھڑسکیں۔''[۱۱]

نظم ''دوام'' (ص۳۶۶) میں کڑکتے زلزلے اور قیامت کا سماں، ''ایک شام'' (ص۴۰۲) میں پگھلی ہوئی بے جسم سلاخیں، '' نیلے تالاب'' (ص۴۶۱) میں نیل گگن کی ٹینکی اور سات سمندر سات بھرے ٹب اور ''بھائی کو سجن اتنی جلدی کیا تھی'' (ص۴۷۵) میں تین کرے اور تین زمانے وغیرہ ایسے حوالے ہیں جو مجید امجد کے سائنسی طرزِ فکر اور شعور پر دال ہیں۔ نظم ''مرے خدا مرے دل'' میں بھی مجید امجد نے چٹانیں پگھلنے اور ستاروں کے ملنے کو ان گنت سورجوں کی تخلیق کا عمل بتایا اور اگر اسے مجید امجد کے ''فسانۂ آدم'' کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے تو ان مصرعوں کی معنویت دو چند ہو جاتی ہے۔

ترے ہی دائرے کا جزو ہیں وہ دور کہ جب
چٹانیں پگھلیں ، ستارے جلے ، زمانے ڈھلے
وہ گردشیں جنھیں اپنا کے ان گنت سورج
ترے سفر میں بجھے تو انھی اندھیروں سے

دوامِ درد کی اک صبح ابھری ، پھول کھلے
مہک اٹھی تری دنیا ، مرے خدا مرے دل
(''مرے خدا مرے دل''،ص۴۱۱)

مجید امجد کے سائنسی مشاہدے کی ایک نہایت معنی خیز جہت نظم ''ہر سال ان صبحوں۔۔۔'' میں نظر آتی ہے۔ اس زاویہ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے شہزاد انجم لکھتے ہیں:

''امجد کے سائنسی زاویہ نظر اور Empirical مشاہدے کی ایک نہایت دلچسپ مثال پیش کرتا ہوں، کارل ساگاں نے اپنی کتاب '' کائنات'' میں لکھا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں میں ایک لاجواب کیلنڈر ہے، نیو میکسیکو میں گیارہویں صدی کا بنا ہوا ایک بے چھت مندر ہے، ۲۱ جون کو یعنی سال کے سب سے لمبے دن صبح سورج کی ایک کرن کھڑکی سے داخل ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ حرکت کرتی ہوئی ایک مخصوص طاق تک پہنچتی ہے لیکن یہ صرف ۲۱ جون ہی کو ہوتا ہے۔'' [۱۲]

بیان کردہ صورتِ حال میں مجید امجد کی نظم دیکھیں کہ انھوں نے کس طرح اس خاص دن کو اپنی نظم میں سمویا ہے۔

ہر سال ان صبحوں کے سفر میں _____ اک دن ایسا بھی آتا ہے
جب، پل بھر کو، ذرا سرک جاتے ہیں، میری کھڑکی کے آگے سے گھومتے گھومتے سات کروڑ کرے اور
سورج کی پیلے پھولوں والی پھلواڑی سے اک پتی اڑ کر میرے میز پر آ گرتی ہے
ان جنباں جہتوں میں ساکن!
تب اتنے میں، سات کروڑ کرے، پھر پاتالوں سے ابھر کر، اور کھڑکی کے سامنے آ کر،
دھوپ کی اس چوکورسی ٹکڑی کو گہنا دیتے ہیں، آنے والے برس تک
اس کمرے تک واپس آنے میں، مجھ کو اک دن، اس کو ایک برس لگتا ہے
(''ہر سال ان صبحوں''،ص۵۶۲)

اس کے علاوہ مجید امجد کی دوسری نظموں ''ان سب لاکھوں کروں'' (ص۵۸۶)، ''برسوں عرصوں میں'' (ص۶۷۵) اور ''خوردبینوں پہ جھکی'' (ص۶۷۷) میں سائنسی زاویہ نظر سے زندگی، کائنات اور ارتقا کا مطالعہ کیا گیا

ہے تاہم ان نظموں کو بیان کرنے میں جو شاعرانہ حسن درکار تھا اُسے بھی انھوں نے متاثر نہیں ہونے دیا۔ اس انداز کی کہی گئی نظمیں صرف سائنسی شعور ہی کا اظہار نہیں کرتیں بلکہ ان نظموں کے اندر معنویت کی تہیں موجود ہیں۔ یہ نظمیں بھی ان کے سماجی اور فلسفیانہ افکار کی وضاحت میں مددگار ثابت ہو سکتی ہیں۔ مثالیں دیکھیں:

ان سب لاکھوں، کروں، زمینوں کے اوپر، لمبی سی قوس میں، یہ بلوریں جھرنا
جس کا ایک کنارا، دور، اُن چھتناروں کے پیچھے، روشنیوں کی
ہمیشگیوں میں ڈوب رہا ہے
جس کا دھارا میرے سر پر چھت ہے
اور میں اس پھیلاؤ کے نیچے
کبھی نہ گرنے والی، گرتی گرتی، چھت کے نیچے ــــــــ
(''ان سب لاکھوں کروں''، ص۵۸۶)

کسے خبر کیسی ہیں دوریوں کی یہ دنیائیں جو برسوں عرصوں ہمارے دلوں سے بعید رہتی ہیں
اور اچانک کبھی ہم اپنی زندگیوں کو ان کے چمکتے مدار میں پاتے ہیں، پل بھر کو
پل بھر اتنے قریب تک آکر پھر وہ دوریاں اپنے سدیمی سفر پر ہم سے دُور اور دُور تر ہو جاتی ہیں
(''برسوں عرصوں میں''، ص۶۷۵)

خوردبینوں پہ جھکی آنکھوں کی ٹکٹکی کے نیچے دنیا کے چمکیلے شیشے پر اپنے لہو کی چکٹ میں
کلبلاتے، بےکل جرثومو!
دیکھو تمہارے، سروں پر گرداں خوردبینوں میں گھورتی آنکھیں تقدیروں کی
تم سے کیا کہتی ہیں ــــــ سنو تو ــــــ
بھرے کرے پر جڑ جڑ جیتے کرمکو، تم کب تک سورج کی کرنوں کا میٹھا کیچڑ چاٹو گے
گیلا ریتلا سرد اندھیرا ہے آگے تو ــــــ
(''خوردبینوں پہ جھکی''، ص۶۷۷)

مجید امجد نے اپنی شاعری میں سائنس اور سائنسی شعور کو محض اتفاقیہ اپنا موضوع نہیں بنایا بلکہ اس موضوع پر ان کا مسلسل مطالعہ ان کی گہری دلچسپی کی خبر دیتا ہے جو کہ ان کے کلام میں اوّل تا آخر تک دیکھی جا سکتی ہے نیز وقت

کے ساتھ ساتھ ان موضوع کے بیان میں ان کی قدرت اور پختگی بھی قابل ذکر ہے۔انہوں نے اس موضوع سے متعلق اپنے مطالعہ کو جس ہنرمندی سے اپنے تخلیقی تجربے کا حصہ بنایا ہے اس کے پیشِ نظر یہ کہنا درست ہے کہ یہ موضوع اپنی فکری وسعت اور تہہ داری کے باعث مجید امجد کی نظموں کا اہم حوالہ بنتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر محمد امین،''مجید امجد کی مستقبل شناسی''(مضمون)مشمولہ ادبیات،اسلام آباد،۲۰۰۱ء،ص۲۷۶۔

۲۔ یہ شاید وہی مسودہ ہے جس کا اشارہ ڈاکٹر محمد زکریا نے اپنے مضمون''مجید امجد کا نظریہ کائنات''مشمولہ''چند اہم جدید شاعر''ص۱۵۰ پر دیا ہے۔ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا لکھتے ہیں:

''مجید امجد نے کائنات کے بارے میں ایک کتاب نثر میں لکھنی شروع کی تھی اگرچہ وہ نامکمل رہ گئی تھی لیکن وہ اپنی کسی چیز کو ضائع نہیں کرتے تھے اس لیے مجھے یقین ہے کہ اس کا مسودہ بھی ان کے دوسرے مسودات کی طرح ان لوگوں کے پاس ہوگا جن کے پاس ان کے دوسرے مسودات ہیں۔''

۳۔ مجید امجد کی ایک طویل نظم،''نہ کوئی سلطنتِ غم ہے نہ اقلیمِ طرب''(ص۲۵۳)میں کائنات اور اس کے آغاز کی طرف بعض اشارے کیے گئے ہیں۔نظم میں'نغمۂ کوکب''کے عنوان سے دائموس،فبیوس،پلوٹو،ارناؤس اور کرۂ ارض کا ذکر کیا گیا ہے۔مجید امجد کے قلمی مسودے بعنوان''فسانۂ آدم''میں ستاروں کے بارے میں سائنسی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔

۴۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا،''چند اہم جدید شاعر''،ص۱۴۱۔

۵۔ مجید امجد،''فسانۂ آدم''،(قلمی)ص۲۔

۶۔ مجید امجد،''نظامِ شمسی سے باہر کی دنیا''،مشمولہ''فسانۂ آدم''(قلمی)ص۱۱۔

۷۔ ڈاکٹر محمد امین،''مجید امجد کی مستقبل شناسی''(مضمون)مشمولہ''ادبیات''اسلام آباد،ص۲۷۵۔

۸۔ مجید امجد،''فسانۂ آدم''(قلمی)۔

۹۔ تفصیل کے لیے دیکھیں:

شہزاد انجم،''مجید امجد کا سائنسی شعور''(مضمون)مشمولہ''اوراق''لاہور،(خاص نمبر،جولائی اگست،۱۹۹۸ء) ص۳۳۰،۳۳۱۔

۱۰۔ ایضاً ص۳۲۹۔

۱۱۔ مجید امجد،''فسانۂ آدم''(قلمی)،ص۱۔

۱۲۔ شہزاد انجم،''مجید امجد کا سائنسی شعور''،(مضمون)مشمولہ''اوراق''لاہور،ص۳۳۱۔